عبدالرحمن چغتائی

پاکستان کے مایہ ناز مصور، محمد عبدالرحمن چغتائی عالمگیر شہرت کے مالک تھے۔ ان کا ایک کارنامہ مرقع چغتائی (مصور دیوان غالب) اور اس کے بعد اس کا مختصر ایڈیشن نقش چغتائی ہے۔ اس میں انہوں نے غالب کے اشعار کو اس خوبصورتی سے مصور کیا کہ چغتائی اردو دانوں کے محبوب بن گئے۔ عمر کے آخری حصے میں انہوں نے کلام اقبال کو بھی مصور کیا مگر اسے وہ مقبولیت حاصل نہیں ہوئی جو کلام غالب کو مصور کرنے سے ہوئی۔ مرحوم اس پائے کے مصور تھے کہ ان کا موازنہ یورپ ہی کے مصوروں سے کیا جا سکتا ہے ورنہ پاکستان اور ہندوستان میں کوئی ان کا حریف نہیں تھا۔ عجیب بات یہ ہے کہ پاکستان سے زیادہ ان کی ہندوستان میں قدر دانی ہوئی اور وہاں کی متعدد بڑی

لائبریریاں ان کی تصاویر سے مزین ہیں۔

مرحوم کے مجھ سے مختصر تعلقات رہے مگر ایک ہی ملاقات اور تھوڑی سی خط و کتابت نے میرا دل موہ لیا۔ انہوں نے لاہور میں مجھے اپنا شاہکار عنایت فرمایا۔ میں نے انہیں کراچی آ کے شکریے کا خط لکھا اور اپنی ایک کتاب بھیجی۔ اس کے بعد نامہ و پیام ہونے لگے، یہاں تک کہ انہوں نے سفرِ آخرت اختیار کیا جس کا مجھے بے حد رنج ہوا۔ میں نے اپنی کتاب "نایاب ہیں ہم" میں ان کے متعلق تفصیلی مضمون لکھا ہے۔ اس مضمون کو پڑھ کر ان کے بھائی اور دستِ راست عبدالرحیم چغتائی نے مجھے بڑا مفصل خط لکھا جس میں انہوں نے چغتائی مرحوم اور ان کے احباب کے متعلق بہت سی نئی اور بعض چونکانے والی باتیں بتائیں۔ چغتائی کو آرٹ کے علاوہ اردو ادب سے بھی دلی لگاؤ تھا اور اردو کا جو بے مثال سالنامہ کارواں نکلا تھا، وہ اس کی روح رواں تھے۔ عام طور پر خیال کیا جاتا ہے کہ سالنامۂ کارواں، تاثیر، پطرس، امتیاز علی تاج اور مجید ملک کی کاوش کا نتیجہ تھا مگر دراصل ایسا نہیں ہے۔ یہ اصحاب چغتائی کے یارِ غار تھے اور انہوں نے اس کی کامیابی کے لئے سونے پر سہاگے کا کام کیا، مگر اس کے اجزائے ترئین اور عظمت کا سہرا سراسر چغتائی کے سر ہے۔ عبدالرحیم چغتائی نے اس راز سے پردہ اٹھایا ہے اور چغتائی کی ادبی لگن کی تفصیل لکھی ہے۔

پہلے آپ چغتائی کا خط ملاحظہ فرمائیے۔

لاہور۔ ۲۰ مارچ ۷۳ء

مکرمی معظم صادق الخیری صاحب

سلام ممنوں

آپ کی ہر تصنیف ایک خصوصی پیغام میں ڈھلکر صورت پذیر ہوتی ہے۔ شمع فروزاں باوجود ترجمہ ہونے کے تصنیف سے کم نہیں۔ میرا یقین ہے آپ نے پرل بک کی مشہور تصنیف گڈ ارتھ کا بھی ترجمہ کیا ہوگا۔ اگر ایسا ہے تو نوازش فرمائیں۔

زبان اور اس کا حسن آپکے الفاظ میں دلہن سے کیا کم خوبصورت ہے۔ والسلام

چغتائیؒ

اب عبد الرحیم چغتائیؒ کا خط پڑھیے۔

لاہور۔ ۱۶ فروری ۸۴ء

مکرمی معظمی جناب صادق الخیری صاحب۔ السلامُ علیکم۔

کتاب نایاب ہیں ہم۔ موصول ہوئی بہت بہت شکریہ۔ اس سے پہلے کوئی کتاب کہیں سے نہیں آئی تھی۔ یہ تو افکار میں اس پر تبصرہ سے معلوم ہوا کہ اس میں بھائی صاحب کا تذکرہ آپ کی قلم سے ہوا ہے۔

کتاب "نایاب ہیں ہم" میں آپ کا مضمون پڑھا۔ آپ نے بہت خوبصورت الفاظ میں چغتائی صاحب پر لکھا ہے اور تمام باتیں حقیقت پر مبنی ہیں۔ ان میں کسی قسم کا مبالغہ نہیں ہے جیسا کہ اکثر مصنفین مرحومین سے متعلق اپنا بیان رنگین الفاظ میں کیا کرتے ہیں۔ جو کچھ آپ نے بیان کیا ہے۔ چغتائی صاحب ایسے ہی تھے بلکہ کسی حد تک اس سے بھی زیادہ تھے۔ آپ کے بیان میں چند ایک باتوں کی وضاحت کرنا ضروری سمجھتا ہوں کیونکہ اکثر اوقات بڑے لوگوں سے منسوب باتیں، آئندہ چل کر تاریخ کا روپ دھار لیتی ہیں ———

کرنل مجید صاحب ٹونک کے نہیں تھے خالص پنجابی تھے۔ ان کے والد ملک محمد الدین صاحب ٹونک میں وزیر اعظم کے عہدہ پر متمکن تھے۔ مگر ان کی تعلیم و تربیت لاہور ہی میں ہوئی تھی۔ ابتدا میں انجمن حمایت اسلام کے ہائی اسکول شیرانوالہ میں تاثیر اور دیگر دوستوں کے ساتھ پڑھتے رہے بعد لاہور ہی میں ایف، سی کالج میں تاثیر اور دوستوں کے ساتھ پڑھتے رہے پھر بعد میں علی گڑھ سے بی۔ اے ایل ایل بی کیا جہاں ان کے خسر ڈاکٹر بیٹے ان کی بیوی آمنہ کے والد پروفیسر وغیرہ تھے اور خلیفہ عبد الحکیم مرحوم بھی تھے۔ مرحوم خلیفہ عبد الحکیم ان کے حقیقی ماموں تھے اور سب

خالص لاہوری اور پنجابی کشمیری خاندان سے تعلق رکھتے تھے۔
کرنل مجید ملک صاحب اردو کے علاوہ انگریزی میں بہت بڑے پائے کے پڑھے لکھے اور لائق تھے۔ ابتدا میں مسلمانوں کے واحد انگریزی روزنامہ اخبار مسلم آوٹ لُک کے ایڈیٹر رہے تھے۔ بعد میں ٹائمز آف انڈیا میں چلے گئے تھے۔ پھر دوسری جنگ عظیم شروع ہوئی تو اس وقت پرنسپل انفرمیشن بیورو مقرر ہوئے۔ اور تمام اردو۔ ہندی۔ فارسی۔ وغیرہ زبانوں کے تمام ہندوستان کے ادیب ان کے زیر قلم یعنی ملازم ہوئے جن میں فیض۔ چراغ حسن حسرت اور تمام نامی گرامی ادیب ان ہی کی وجہ سے تھے جو پروپیگنڈے کے لئے رکھے گئے تھے انہوں نے سب کو کیپٹن، میجر اور کرنل بنا دیا۔ یہاں تک کے مرحوم حفیظ جالندھری کے لئے الگ ایک سونگ پبلسٹی کا ڈیپارٹمنٹ کھلوا دیا۔
کاروان کے متعلق عرض ہے کہ اس میں علمی۔ ادبی اعتبار سے تمام سرمایہ چغتائی صاحب ہی کا تھا اس میں کسی ادیب کا ایک پیسہ بھی شامل نہیں تھا۔ دراصل کاروان کا اجرا یا اسکیم سمجھئے یہ سب ان لوگوں کے اکھٹا مل بیٹھنے کا نتیجہ تھا۔ جب بھی مل کر بیٹھتے تو اس قسم کی سینکڑوں سکیمیں بنتی اور بگڑ جاتیں۔ سب سے پہلے کاروان کا اجرا ماہوار کرنے کا

پروگرام تھا۔ تاثیر اس میں پیش پیش ہوا کرتے تھے۔ اس سے پہلے امتیاز صاحب کہکشاں جاری کر کے اور چلا کر بند کر چکے تھے اور پھر حکیم یوسف صاحب نے نیرنگ خیال جاری کیا جس میں سب نیاز مندانِ لاہور مل کر حصّہ لیتے رہے۔ اور پھر کاروان کی سکیم بنی جیسا کہ پہلے ذکر کیا ہے یہ ماہوار پرچے کا پروگرام تھا۔ تاثیر سکیم بنانے میں سب سے تیز اور تند ہوتے تھے مگر کام کرتے میں سب سے پیچھے چنانچہ ماہوار کی سکیم کئی سال تک التوا میں پڑی رہی۔ یہاں تک کہ اس کی مسطر بھی چھپ گئی۔ آخر تنگ آ کر چغتائی صاحب اور میں نے آرٹ اور ادب کے ایک سالنامہ کا پروگرام بنایا اور ہمارے نزدیک یہ پروگرام ایک انگریزی سالنامے Baby Annual سے آیا تھا جو اس وقت لنڈن سے آرٹ اور ادب پر نکلتا تھا۔ اس سکیم پر بھی بہت دن تبادلہ خیالات ہوتا رہا۔ مگر تاثیر کسی صورت قابو نہیں آئے جیسا کہ میں نے عرض کیا ہے مگر ہم نے اپنے طور پر یعنی دونوں بھائیوں نے اس پر کام شروع کر دیا۔ اس عرصہ میں چغتائی صاحب اور دوسرے بھائی ڈاکٹر عبداللہ چغتائی صاحب نے سنہ ۳۲-۱۹۳۱ء میں یورپ جانے کا پروگرام بنایا اور وہ چلے گئے اور تاثیر نے سمجھا چلو چھٹکارا ہوا۔ مگر اس کو نہیں

معلوم تھا کہ میں نے اس کام کو شروع کر دیا ہوا ہے۔ چنانچہ میں نے چغتائی صاحب کی عدم موجودگی میں تمام ادیبوں سے مضامین وغیرہ اکھٹے کرنے شروع کر دیئے ۔مضامین کے علاوہ اس میں ہمارا رجحان زیادہ تر آرٹ کی طرف تھا چنانچہ اس سے متعلق بھی بنگال اور ہندوستان کے دیگر مصوروں اور فنکاروں سے سب چیزیں حاصل کرلیں۔یہاں تک کہ خود کلکتہ جاکر ٹیگور اسکول کے بانی آنجہانی رنبدرا ناتھ ٹیگور اور ان کے شاگردوں کے شاہکار حاصل کرکے اور وہیں سے موڈرن رلولیو سے چھپوا کر اپنے ساتھ لایا تھا ۔

لاہور آکر میں نے ایک پرنٹنگ پریس قائم کیا اور اس میں کارواں کی تصاویر اور دیگر نقش ونگار وتزئین وغیرہ چھپنا شروع ہوگئیں تھیں ۔ ولایت جانے سے بیشتر چغتائی صاحب تمام چیزوں یعنی کارواں سے متعلق تزئین Get-up وغیرہ کیلئے ڈیزائن وغیرہ خود کر گئے ہوئے تھے ان کے بلاک وغیرہ بنوائے گئے ۔ مضامین کی لکھوائی کا کام منشی اسد اللہ صاحب جنہوں نے دیوانِ غالب مرقع چغتائی لکھا تھا۔ ان کے فرزند سمیع اللہ صاحب نے انجام دیا۔ یہ لوگ ہمارے قدیم مکان محلہ چابکسواراں ہی کے قریب رہتے تھے۔ ان سے بہترین تعلقات تھے۔نہایت بہترین خطاط تھے۔ منشی

اسد اللہ صاحب لکھنؤ اسکول خطاطی کے پیرو تھے۔ ہم نے دیوان غالب انہیں سے لکھوایا تھا جس کا مسودہ ابھی تک میرے پاس موجود ہے۔ یہ کوئی تعلی کی بات نہیں ہے جو کچھ سمجھ مجھے طباعت وغیرہ کے معاملے میں ہے وہ کسی مسلمان کو نہیں ہے۔ میں نے چغتائی صاحب کی تمام کتابیں خود ہی شائع کی ہیں۔ یہاں تک کہ مرقع چغتائی کا اولین ایڈیشن میں نے خود مشین پہ کھڑے ہو کر چھاپا تھا اور یہ مشین ہم نے اپنے قدیم مکان محلہ چابکسواراں میں نصب کی تھی۔ جہاں اور جب مرقع چغتائی چھپ رہا ہوتا تھا۔ اس کے دوسرے حصے میں یہ تمام احباب۔ پطرس بخاری۔ خلیفہ عبدالحکیم۔ سید امتیاز علی تاج۔ تاثیر۔ ڈاکٹر نذیر۔ سابق پرنسپل گورنمنٹ کالج۔ کرنل مجید ملک۔ غلام عباس اور بھی بہت سے دوست شامل ہوتے، بیٹھے محو گفتگو ہوا کرتے تھے۔ جب کتاب مرقع چھپ گئی اور یورپ سے اس کے ریویو آئے تو اس سے متعلق لکھا تھا No such book ever produced in India. میں بات کرتے کرتے کدھر کو نکل گیا ہوں تو غرض یہ ہے کہ جب کارواں کا سالنامہ تیار ہو گیا تو اب تاثیر صاحب کو ہوش آئی کہ یہ معاملہ تو ہاتھ سے نکل گیا ہے۔ اس دوران چغتائی صاحب یورپ سے

واپس آ گئے تھے چنانچہ ان کی فراخ دلی۔ نیک سیرت خصلت اور جبلت نے میری تمام محنت تاثیر کو سونپ دی۔ سالنامہ میں تاثیر کا کارنامہ یہ ضرور ہے کہ جب یہ خیال آیا کہ اس سالنامہ کے لیے ڈاکٹر اقبال صاحب سے کوئی ان کی غیر مطبوعہ نظم یا غزل حاصل کرنی چاہیئے تو اس وقت تاثیر ساتھ تھے جب ہم تینوں بھائی۔ چغتائی صاحب۔ ڈاکٹر عبداللہ چغتائی اور میں ڈاکٹر صاحب کے ہاں شام کو گئے تھے اور رات دو بجے تک وہاں رہے تھے اور وہ غیر فانی نظم یا غزل یا اشعار کے لیے جو آج بھی ان کے کلام بال جبریل میں آسماں سمجھتا تھا۔ کارواں سمجھا تھا میں کے عنوان سے موجود ہے۔ اور کارواں میں موجود ہیں ڈاکٹر صاحب نے لکھے تھے۔ ان کے لکھے جانے کی تفصیل تاثیر کے قلم سے سالنامہ کارواں کے پہلے شمارے میں آ چکی ہے۔ اور یہ تفصیل بالکل ہو بہو سچی ہے۔ اور یہ بھی ہے کہ اس کے بعد یعنی پچیس سال کے بعد پھر ڈاکٹر اقبال صاحب نے اردو میں کلام کہنا شروع کیا تھا۔ اس سے پہلے انہوں نے پچیس سال تک اردو کی کوئی غزل یا نظم نہیں لکھی تھی۔ ڈاکٹر عبداللہ چغتائی صاحب کم سے کم بیس سال تک اندر باہر ہر جگہ ان کے ساتھ رہے لیکن جب ڈاکٹر اقبال صاحب اپنے تاریخی خطبے مدراس

وغیرہ دینے کی خاطر گئے تو عبد اللہ ہی ان کے ساتھ تھے اور لنڈن راؤنڈ ٹیبل کانفرنس کے موقع پر بھی عبد اللہ ان کے ساتھ تھے ــــــ دیوان غالب کا مصور ایڈیشن بھی میرا ہی تجویز کردہ Idea تھا۔ اس کی تفصیل چغتائی صاحب خود ماہ نو کے کسی نمبر میں لکھ چکے ہیں ــــــ تاثیر عملی آدمی نہیں تھا۔ یہ ضرور ہے کہ بہت پڑھا لکھا تھا۔ علم وادب کی حد تک۔ اور جہاں تک آرٹ سے مذاق اس کی سوجھ بوجھ تھی وہ سب اس میں چغتائی صاحب کی پیدا کی ہوئی تھی۔ یہاں تک کہ اس کو آرٹ سے متعلق نئی نئی تنقید سے متعلق کتابیں بھی اپنے پاس سے خرید کر دیتے تھے۔ یہ بہت کم لوگوں کو معلوم ہے۔ ان کے آرٹ پر کسی مسلمان نے آج تک کوئی قابل قدر یا صحیح قسم کا تبصرہ یا نقادانہ مضمون نہیں لکھا۔ ہندو۔ اور انگریز نقادوں نے ان کے آرٹ پر بہت کچھ لکھا ہے۔ مسلمان لوگ ملنے آتے تھے اور تصویریں دیکھتے تھے تو ایسی ایسی جہالت کی باتیں کرتے تھے کہ ہنسی آتی تھی۔ چغتائی صاحب خود یورپین اور مشرقی آرٹ قدیم اور جدید کو اس قدر سمجھتے تھے کہ کوئی دوسرا نہیں سمجھ سکتا۔ عمل چغتائی جو ڈاکٹر اقبال کے کلام سے متعلق شائع ہوئی ہے۔ اس میں اسی تصاویر پر جو نوٹ اردو

اور انگریزی میں لکھے ہوئے ہیں وہ چغتائی صاحب کے اپنے ہی لکھے ہوئے ہیں ـــــــ عملِ چغتائی میں دیباچہ اور دیگر مضامین وہ بھی ان کے قلم سے ہیں ـــ چغتائی صاحب اپنے آرٹ کی رو سے بہت بڑا کارنامہ انجام دے گئے ہیں۔ ان کا بہترین کلام عمر خیام کا کارنامہ ہے جس میں کم سے کم سو کے قریب تصاویر بنائی ہوں گی اور یہ ان کے عروج کا زمانہ ہے۔ تصاویر کے علاوہ رباعیات کے کم سے کم پچاس ڈیزائن کئے ہیں جو ایک سے ایک مختلف ہے۔ افسوس یہ ہے کہ عمر خیام کے چھپنے کی کوئی صورت نظر نہیں آتی۔ اسی صورت انہوں نے مغل تاریخ سے متعلق بھی کم سے کم پچاس سے اوپر تصاویر بنائی ہوں گی جو ان کی مصوری کے بہترین دور کی پیداوار ہیں اور پھر کشمیر سے متعلق ایک البم الگ شائع ہو سکتی ہے اور پنجابی سے متعلق اور پھر Nude تصاویر اس قدر اچھی بنائی ہیں کہ یورپین مصوروں نے بھی ایسی بہت کم بنائی ہوں گی اور ان کا یہ آرٹ ابھی تک بہت کم لوگوں نے دیکھا ہے اور اس کے علاوہ بے شمار تصاویر مختلف مضامین سے تعلق رکھتی ہیں۔ ان سب کا شائع ہوتے کو قاروں کا خزانہ ہونا چاہئے۔ ہاں اس قدر ضرور ہے کہ ہم چاہتے ہیں کہ ان کی تمام تخلیقات کو ایک عجائب گھر کی

صورت ترتیب دیدیں اور اس کے لئے انہوں نے خود اپنی
زندگی میں ایک خطہ زمین خرید کیا تھا جہاں ہم ہر سال ان کی
برسی کے موقع پر ان تصاویر کی نمائش کرتے رہتے ہیں۔ گزشتہ
۷ جنوری کو بھی ایک نمائش کی تھی۔ ابتدا میں پہلی تین چار برسی
پر یورپ سے بڑے بڑے مشہور نقاد اور مبصر جو فائن آرٹ
سے تعلق رکھتے ہیں آتے رہے ہیں۔ اور ان لوگوں کا تعلق
British Museum اور امریکن Metropoloseum
وغیرہ سے ہے۔ اگر زندگی ہے تو آئندہ ان کی دس سالہ
برسی پر ایک بہت بڑی نمائش اور اجتماع کرنے کا ارادہ
ہے۔ چغتائی صاحب اگر یورپ میں ہوتے تو آج تک
ان کا میوزم بن گیا ہوتا۔ یورپ کو دیکھو انہوں نے اپنے
مصوّروں کے کیسے کیسے شاندار عجائب گھر قائم کئے ہیں۔
حال ہی میں Von Gogue کا میوزیم اس کے ملک
نے قائم کیا ہے کروڑوں روپے لگا کر یہ عجائب گھر قائم
کیا ہوا ہے ابھی پچھلے چند دن ہوئے ہمارے ہاں T.V.
پر بھی دہ دکھایا گیا تھا۔ آنجہانی جواہر لال نہرو جب پاکستان
آیا تھا تو گورنمنٹ ہاؤس میں صدر ایوب کے سامنے اس
نے کہا تھا۔ چغتائی میرے ساتھ چلو کوٹھی دوں گا۔ دولت
دوں گا۔ تمہارا عجائب گھر قائم کروں گا۔ تم تو جدید ہندوستانی

مصور ہو ہمیں تم پر فخر ہے ۔ ــــ آپ کو سن کر حیرت ہو گی ۔ ہندوستان میں چغتائی صاحب کی کم سے کم پانچ سو کے قریب تصاویر موجود ہیں ۔ اس میں سے زیادہ تر گورنمنٹ عجائب گھروں اور گیلریوں میں موجود ہیں ۔ خصوصیت سے نئی دہلی نیشنل میوزیم ہیں ۔ ان کے نام سے ان کی تصادیر کا ایک الگ کمرہ مخصوص ہے ۔ اسی طرح کوچ بہار حیدر آباد دکن ۔ مدراس ۔ پٹیالہ ۔ گوالیار ۔ بمبئی میوزیم ۔ ٹراونکور اور پرائیویٹ لوگوں کے پاس بے تحاشہ ان کی تصاویر موجود ہیں ۔ اور یہاں پاکستان میں نیشنل موزیم کراچی میں ایک تصویر بھی نہیں ہے ۔ لاہور میں تین چار تصاویر ہوں گی اور وہ بھی تقسیم سے بیشتر انگریز گورنر کی خرید کردہ ہیں ۔ چغتائی صاحب نے اردو کی بے لاگ خدمت کی ہے ۔ کہکشاں نیرنگ خیال اور اردو کے دیگر رسائل سب ان کی نوازشات اور نگارشات کے مرہونِ منت تھے ۔ نقوش لاہور کے اس قدر سرورق بنائے ہیں کہ اگر طفیل مالک نقوش چاہے تو ایک غیر معمولی نمبر ان کے سرورق کا شائع کر سکتا ہے ــــ اسی صورت ادیبوں ۔ شاعروں اور مشہور اور غیر معروف ادیبوں کی کتابوں کے سرورق ان کے بنے ہوئے ہیں ۔ جلال و جمال کے علاوہ اور بھی بہت

زیادہ دیدہ زیب اور خوبصورت ہیں۔ خاص طور پہ فراق گورکھپوری کی کتاب کا۔ لطف خرام کا۔ فیض کے پہلے کلام نقش فریادی کا اور بھی بہت سے قابل بیان ہیں ــــــ آپ کو یہ بھی معلوم ہونا چاہیے کہ غلام عباس چغتائی صاحب ہی کا بنایا تھا۔ اور یہ بات اس نے اپنے .T.V ریویو میں فخر یہ بیان کی تھی۔ ورنہ وہ مڈل پاس بھی نہیں تھا۔

چغتائی صاحب ہی نے اس کو امتیاز علی کے پاس پھول میں رکھوایا تھا اور بعد میں پطرس کے پاس آل انڈیا ریڈیو میں۔ اس کے بعد وہ چل نکلا تھا۔

چغتائی صاحب بہت خوبیوں کے آدمی تھے اور ایسے لوگ مدتوں بعد پیدا ہوتے ہیں ــــ آپ نے ٹھیک لکھا ہے کہ ڈاکٹر اقبال کے بعد بین الاقوامی شہرت کے مالک اور ایشیا کے عظیم مصور۔ پاکستان کے لیئے مایہ ناز اور برصغیر کے لیئے باعث افتخار ہیں ــــ اکثر احباب کا کہنا ہے کہ پاکستان میں آمر اور تاجر آتے اور جاتے ہی رہیں گے اور کوئی ان کا نام لینے والا اور جاننے والا بھی نہیں ہوگا مگر پاکستان کے تین آدمی ہمیشہ زندہ جاوید رہیں گے جن کا نام روشن رہے گا۔ ایک جناب قائد اعظم رحمتہ اللہ علیہ۔ ڈاکٹر اقبال رحمتہ اللہ علیہ اور چغتائی صاحب۔

ہم کو کسی پر گلہ نہیں ہے ۔ دنیا میں ایسے لوگوں کے ساتھ ایسا ہی ہوتا آیا ہے ۔ چغتائی صاحب نے خود زندگی بھر کسی کے آگے ہاتھ نہیں پھیلایا ۔ جو کچھ کیا اپنے فن سے حاصل کیا اور اپنی تصاویر کے ذریعہ زندگی گزاری ہے ۔ اور آئندہ ہمارا ارادہ بھی یہی ہے کہ ان کے فن ہی سے ان کی یادگار ایک غیر فانی عجائب گھر کی صورت قائم کر دیں اس میں ان کی نرینہ اولاد عارف رحمٰن چغتائی کا بہت بڑا حصہ ہے جو دن رات کوشاں ہے ۔ وہ خود بھی پڑھا لکھا اور شریف بچہ ہے ۔ فی زمانہ ایسی اولاد ہونا بہت نایاب ہے ۔ میں نے تمام عمر چغتائی صاحب کی خدمت انجام دی ہے ــــ اور مخلصانہ زندگی گذاری ۔ تمام دوستوں اور احباب کو معلوم ہے ۔

چغتائی صاحب زندگی بھر کسی دوست کے دست نگر نہیں ہوئے ۔ جس قدیم مکان کا ذکر کیا ہے وہاں دن بھر ان کے دوستوں کا جمگھٹا لگا رہتا تھا ۔ اور سب کچھ نہ کچھ کھا کر ہی گپیں مارتے رہتے تھے ۔ کافی سے زیادہ سمع خراشی کی ہے معافی چاہتا ہوں ۔ دوبارہ شکریہ ۔ میرے لائق کوئی خدمت ۔

آپ کا خادم

عبدالرحیم چغتائی ۔